اسلامی تہذیب کے حوالے سے سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی فکر کا جائزہ

A CRITICAL STUDY OF SYED ABU-UL-AALA MOUDOODI'S THOUGHTS ON ISLAMIC CIVILIZATION

عبدالرزاق خان*

Abstract:
In his critique to western thought, Maudoodi called for revival of Islamic civilization. He scholarly proved that Islamic civilization is neither related to any region nor race but it is purely based on ideology of Islam having its own complete system of life. This article mainly covers Maudoodi's thought of islamic civilization in relation to theory of clash of civilization. Maudoodi's thought widely criticized for his extremist tendencies and considered as denial of co-existance of world civilizations. It has been attempted to evaluate dimensions of criticism on Moudoodi's thought.

Keywords: Islamic Civilization ,Western Civilization, Clash of Civilization, Syed Abu-al-Aala Moudodi, Modern Islam

آج دنیا بھر میں مسلمان اسلام پر کاربند ہونے اور اسے دوسرے لوگوں تک پہنچانے کی جو سعی جدید کر رہے ہیں اسے بیسویں صدی میں 'تحریک احیائے اسلام' اور 'سیاسی اسلام' کے عنوانات سے بالخصوص 'یہودیت اور عیسائیت' کے ماننے والوں کے علاوہ امریکہ اور اس کے فکری ہمنوا ممالک نے دنیا کے سیاسی نظاموں کے لیے خطرہ اور 'تہذیبوں کے تصادم' کا عنوان بھی دیا ہے جس میں قرآن، مسلمانوں کی قدرتی دولت اور جہادی سوچ اور جہادی افرادی قوت ''سہہ فریقی اتحاد''قرار پائے ہیں۔[1] اسلامی تہذیب کے دوبارہ عروج اور بالادستی کی اس جدید فکری و عملی تحریک احیائے اسلام میں سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کا کردار حقانیت اسلام کے حوالہ سے معذرت خواہانہ طرز کی بجائے اقدامی طرز فکر متعارف کرانے، مغربی تہذیب پر بھرپور تنقید کر کے اسے انسانیت اور اسلام کے لیے نقصان دہ اور تہذیب جاہلیت ثابت کرنے اور گزشتہ آٹھ صدیوں سے اسلامی تہذیب کے حوالہ سے مسلمانوں کے ذہنوں پر جمی فکری پسماندگی اور مرعوبیت کو دور کرنے کے حوالہ سے خصوصی اہمیت کا حامل ہے کیونکہ ان کے دور کے روبہ زوال مسلم حکمرانوں، بادشاہوں اور فکری جمود کے شکار علما کے پاس امت مسلمہ پر مغربی استعمار کی تلوار اور قلم کی یلغار کا کوئی جواب نہ تھا۔

---

* پی ایچ ڈی سکالر شعبہ علوم اسلامیہ، گومل یونیورسٹی، ڈیرہ اسماعیل خان

سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے مغربی استعماری قوتوں کے غلبہ کے جدید دور میں دین اسلام کو ایک مکمل نظام حیات کی حیثیت سے متعارف کروا کر وقت اور حالات کے تقاضوں کا ادراک رکھتے ہوئے اجتہادی بصیرت کی بدولت عالمی سطح پر درپیش چیلنجوں کے باوجود اسلامی نشاۃ ثانیہ کا تصور ابھارا۔[2] ۱۹۳۳ء میں رسالہ "ترجمان القرآن" کے ابتدائی اداریہ میں اسلامی تہذیب کے احیاءاور اس کے غلبہ کے لیےاپنی فکر اور نقشہ کار کو واضح کرتے ہوئے انہوں نے لکھا:

دنیا میں جو افکار و تخیلات اور اصول تہذیب و تمدن پھیل رہے ہیں ان پر قرآنی نقطہ نظر سے تنقید کرنا اور فلسفہ و سائنس، سیاست و معیشت، تمدن و معاشرت ہر چیز میں قرآن و سنت کے پیش کردہ اصولوں کی تشریح کرنا اور زمانہ جدید کے حالات پر ان اصولوں کو منطبق کرنا اس رسالہ کا خاص موضوع ہے....اس کی دعوت کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن کو لے کر اٹھو اور دنیا میں غالب بن کر رہو۔[3]

اسلامی تہذیب کے احیا کی اہمیت، وسعت، نوعیت اور طریقہ کار کے ضمن میں سید مودودیؒ کی توجہ اور دلچسپی ان کی اولین تصنیف 'الجہاد فی الاسلام' سے بھی عیاں ہے۔اسی طرح مغربی فکر و تہذیب کے مقابل اپنی دیگر کئی کتب میں انہوں نے معذرت اور لاگ لپٹ کے بغیر اسلامی نظام زندگی کے علاوہ ہر نظام اور بالخصوص مغربی تہذیب کو جاہلیت کا نام دینے کا مضبوط موقف اختیار کیا۔[4] اسی ضمن میں وہ مغربی تہذیب پر گہری نظر رکھنے والی نومسلمہ مریم جمیلہ کے نام خط میں لکھتے ہیں:

> ''میں نے اسلام کی تفہیم اور اس کے احیاء کے لیے آج تک کبھی مدافعانہ حربوں یا معذرت خواہانہ ہتھکنڈوں سے کام نہیں لیا۔۔۔میں نے مغربی تہذیب کی نظریاتی بنیادوں پر بے رحمی سے حملے کیے ہیں،۔۔۔میں نے پوری شرح و بسط سے وضاحت کی ہے کہ [اسلام] کس طرح ہر شعبہ زندگی میں مغربی اطوار حیات پر فوقیت رکھتا ہے۔''[5]

اسلامی نشاۃ ثانیہ کے لیے انہوں نے مغرب کے وطنی قومیت کے تصور کا رد کرتے ہوئے ملت اور امت کی نظریاتی فکر پیش کی جس پر مغربی مصنفہ کیرن آرم سٹرانگ نے ان کو دو قومی نظریہ کی بنیاد پر وجود میں آنے والے پاکستان کے نظریہ ساز کا لقب دیا[6] تو مصور پاکستان علامہ محمد اقبالؒ نے ان کو نئی ریاست کے لیے اسلامی آئین اور نقشہ کار وضع کرنے کی دعوت دی۔ پٹھانکوٹ میں ''دارالاسلام'' کے نام سے بسائی جانے والی بستی ۱۹۳۷ میں سید مودودیؒ کی علامہ اقبالؒ سے ملاقات کا ہی نتیجہ تھی۔[7]

اپنی فکر کے مطابق اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے لیے عملی جدوجہد کی خاطر انہوں نے ۲۶ اگست ۱۹۴۱ء کو لاہور میں ۷۵ افراد کی شمولیت کے ساتھ 'جماعت اسلامی' کے نام سے ایک جماعت قائم کی جو آج پوری دنیا میں مختلف ناموں سے ان کی اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی فکر اور تحریک کو آگے بڑھا رہی ہے۔[8] آج دنیا بھر میں احیائے اسلام کے

تناظر میں مغرب میں اسلام کے حوالے سے شائع ہونے والی تقریباً ساری ہی کتابوں میں کسی نہ کسی پہلو سے مولانا مودودی اور جماعت اسلامی کا تذکرہ ملتا ہے جبکہ جدید مستشرقین تو سید قطب کی فکر کو بھی فکر مودودی ہی کا عکس قرار دیتے ہوئے 9امت مسلمہ میں بیداری کی تحریک کے اثرات اور مغربی فلسفہ حیات پر ان کی گرفت کی وجہ سے ان کی فکر کو نہ صرف خصوصی مطالعے اور گفتگو کا موضوع بنانے پر زور دیتے ہیں(10) بلکہ اسلامی تہذیب کے احیا کے سلسلہ میں ان کو بیسویں صدی میں اسلامی فکر کی موثر اور جاندار تشکیل جدید اور تعمیر نو کا فریضہ سرانجام دینے والا صف اول کا ماہر علم الکلام(11)، اسلامی فکر کے احیاء کے لیے جہاد برائے اقامت دین کے لیے سرگرم کرنے والی شخصیت(12) اور مستقبل کا معمار بھی قرار دیتے ہیں۔(13) بقول کیرن آرم سٹرانگ:

> Mawdudi tried to present Islam in a reasoned, systematic way...., He demanded a universal Jihad...No major Muslim thinker had ever made this claim before. . . Mawdudi defined Jihad as a revolutionary struggle to seize power for the good of all humanity.(14)

ان کی جہادی فکر سے متاثرہ نوجوانوں کے پوری دنیا میں احیائے اسلام کے حوالہ سے موثر کردار کی جانب نظریہ تہذیبی تصادم کے خالق سیموئیل فلپس ہن ٹنگٹن نے بھی اپنی کتاب میں پاکستان کے حوالہ سے خصوصی تذکرہ کیا ہے۔(15)

دور جدید میں اسلامی تہذیب کے مغربی تہذیب کے ساتھ کشمکش میں مغربی دنیا کا بنیادی حوالہ ہن ٹنگٹن کی کتاب Clash of Civilizations and the Remaking of World Order ہے جسے امریکی حکومت کے مستقبل کے عزائم، بالادست استعماری سوچ کی چال کا عکاس قرار دیا جاتا ہے۔ دوسری طرف اسلامی تہذیب بطور جامع نظام زندگی کی وہ فکر بھی عروج پا رہی ہے جو بیسویں صدی میں سید مودودیؒ نے ہن ٹنگٹن کی پیدائش سے ایک سال قبل (۱۹۲۶) میں جدید علم الکلام کے مطابق مغربی تہذیب کے مدمقابل پورے استدلال اور گہرائی کے ساتھ اپنی اولین کتاب 'الجہاد فی الاسلام' میں پیش کرنا شروع کی(16) اور بعد ازاں انہوں نے اسلام کو ایک مکمل نظریہ حیات ثابت کرنے اور تمام بنیادی شعبہ جات کے لیے اسلامی تہذیب وثقافت کو ایک قابل عمل صورت میں پیش کرنے کے لیے موثر لٹریچر بھی فراہم کیا۔(17) مغربی تہذیب ابتدا ہی سے ان کے نشانے پر تھے۔ چنانچہ ۱۹۴۶ کو سیالکوٹ میں ایک عوامی اجتماع میں فرمایا:

"ایک وقت وہ آئے گا جب کمیونزم خود ماسکو میں اپنے بچاؤ کے لیے پریشان ہوگا، سرمایہ

دارانہ ڈیموکریسی خود واشنگٹن اور نیویارک میں اپنے تحفظ کے لیے لرزہ براندام ہو گی۔ مادہ پرستانہ الحاد خود لندن اور پیرس کی یونیورسٹیوں میں جگہ پانے سے عاجز ہو گا۔ نسل پرستی اور قوم پرستی خود برہمنوں اور جرمنوں میں اپنے معتقد نہ پاسکے گی۔ اور یہ آج کا دور صرف تاریخ میں ایک داستان عبرت کی حیثیت سے باقی رہ جائے گا۔"(18)

اس کشمکش میں علم و تحقیق کی اہمیت کے پیش نظر انہوں نے باقاعدہ تعلیمی و تحقیقی اداروں کے قیام پر زور دیا اور پاکستان میں اس حوالہ سے ۱۹۶۳ میں "ادارہ معارف اسلامی" کی بنیاد رکھتے ہوئے 'تہذیبی کشمکش میں علم وتحقیق کے کردار' کو تفصیل سے بیان کیا۔(19) انہوں نے اسلامی تہذیب کا دوسروں سے قدرے مختلف تصور بیان کرتے ہوئے اسے علوم وآداب، فنون لطیفہ، صنائع وبدائع، اطوار معاشرت، انداز تمدن اور طرز سیاست کے مظاہر کی بجائے عقائد سے مربوط کرتے ہوئے دنیاوی زندگی کے تصور، زندگی کے نصب العین، اساسی عقائد وافکار، افراد معاشرہ کی تربیت اور اس کے نظام اجتماعی کے پانچ اصولوں اور عناصر پر استوار (20) اور ان عناصر تہذیب سے وجود میں آنے والے اسلامی کلچر کو پورے نظام زندگی تک وسیع اور اس کی آبیاری کے لیے کوشش کو مسلمانوں پر لازم قرار دیا۔(21) اسلامی تہذیب کے احیا کے لیے عقائد وایمانیات سے وابستگی اور انہی کی بنیاد پر الگ کلچر کی ترویج پر سید مودودی کے اصرار اور تہذیب اور مذہب میں قربت کو آج مغربی مفکرین بھی تسلیم کرتے ہیں۔(22)

مغرب اور اسلام کے تہذیبی تصادم کے حوالہ سے سب سے اہم پہلو ان تہذیبوں سے وابستگی رکھنے والوں کا اپنے اور اپنی دنیا کے متعلق بنیادی تصور اور ان کے ساتھ وابستگی اور تعلق کے معیار کا کھوج لگانا ہے۔(23) جدید مغربی تہذیب میں انسان کے معاشرتی حیوان ہونے کا تصور اسلام کے تصور بطور خلیفۃ اللہ سے کلی متصادم ہے جس کی رو سے انسان اپنے وجود اور فکر کے ساتھ خدا کی پیدا کردہ سب سے باشعور اور ذمہ دار ہستی ہے جو جسمانی وروحانی وجود کے تقاضے اور ذمہ داریاں رکھتا ہے۔(24)

قرآنی آیات کی روشنی میں سید مودودی اسلامی تہذیب کی یہ خصوصیت سامنے لاتے ہیں کہ وہ انسان کو دنیا کے دار العمل ہونے کا سبق دے کر اسے بھرپور طریقے سے برتنے کا ہنر دینے کے علاوہ اپنے اعمال کی ذمہ داری اور جوابدہی کے ذریعے ایک ذمہ دارانہ پابند مسؤل زندگی گزارنے کا خوگر بھی بناتی ہے۔(25) جبکہ مغربی تہذیب کے زیر اثر کلی انسانی حاکمیت اور موت کے بعد عدم جوابدہی کا حیوانی نظریہ اقوام دنیا کے وسائل پر ہر ممکن ذریعہ سے قبضہ اور ان کو اپنی مرضی اور خواہش کے مطابق استعمال کرکے استحصال، بدامنی اور بے سکونی پیدا کرنے کا موجب بننا سکھاتا ہے۔(26)

اسلامی تہذیب کے نصب العین اور مقاصد کی عکاسی قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔ (کہو میری نماز، میرے تمام مراسم عبودیت، میرا جینا اور میرا مرنا سب کچھ اللہ رب العالمین کے لیے ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔۔۔(الانعام: ۱۶۲) کے ذریعے ہوتی ہے یہ انسان کا فطری مقصد اور نصب العین ہے جس سے تہی دامن خالص مادی ترقی اور صرف حیوانی خواہشات کی تسکین کا نصب العین انسان کو کبھی مطمئن نہیں کر سکتا۔[27] جبکہ نصب العین کے ضمن میں مغربی تہذیب کے وابستگان کی ذہنیت تاجرانہ ہے چنانچہ اس نے ہندوستان میں بھی تلوار سے بھی صرف اس لیے کام لیا کہ تجارت کے لیے میدان وسیع ہو جائے اور مشرق کی منڈیوں میں اس کے سوا کوئی نظر نہ آئے۔ فوجی قوت سے دنیا کا تجارتی و صنعتی اجارہ حاصل کرنا اس عہد کا خلاصہ ہے۔[28]

دیکھا جائے تو آج بھی صاف نظر آرہا ہے کہ سرمائے کی تلاش اور حصول کے لیے مغربی تہذیب کی آبیاری کرنے والا سرمایہ دارانہ یہودی نظام دنیا میں حقیقی ہمدردی کی سوچ کا فقدان پیدا کرتے ہوئے بالخصوص مسلمانوں کو ثقافتی یلغار کا شکار کرتے ہوئے ان کے مذہب، اخلاق، تہذیب و تمدن غرض ان کی بقا سے وابستہ ہر معیار و اقدار کو شدید خطرہ لاحق کر رہا ہے۔[29] اسی طریقہ کار کے تحت مغرب نے مذہب کو عملی اجتماعی زندگی سے نکالنے کے لیے تصور خلافت کے برعکس سیکولرازم کا تصور دیا ہے۔[30] پھر اسی سیکولرازم کے بطن سے جنم لینے والے نئے مغربی عنوان لبرل ازم نے خود مغرب میں سائنس کو تباہی، اخلاق کو نفسانیت و بے قیدی، معیشت پر خود غرضی اور انسان کشی کا شیطان مسلط کیا، معاشرت میں نفس پرستی تن آسانی پیدا کی تو سیاست کو قوم پرستی و وطنیت، رنگ و نسل کے امتیازات سے آلودہ کر کے مغربی زندگی کو انسانیت کے لیے ایک بدترین لعنت اور پھوڑا بنا دیا۔[31] جبکہ سیکولرازم کی بنیاد پر اسلام کو نظام حکومت سے خارج کرنے کی کوششیں غیر عقلی ہیں کیونکہ دنیا کی زندگی کے متعلق ایک جامع نظریہ اور ہمہ گیر طریقہ رکھنے والی ہر تہذیب طبعاً اس بات کی طالب ہوتی ہے کہ حاکمانہ اختیارات پر قبضہ کر کے زندگی کا نقشہ اپنے طرز پر بنائے۔[32]

دوسرے سیاسی مفکرین کے برعکس سید مودودی اسلامی تہذیب کی ماہیت اور وسعت کے حوالہ سے اسے عربی ذہنیت کی مقامی یا علاقائی تہذیب ماننے کی بجائے خالص اسلامی اصولوں پر مبنی عالمی الہامی تہذیب قرار دیتے ہیں۔[33] اس ضمن میں وہ نہ صرف معذرت خواہانہ انداز کو قبول نہیں کرتے بلکہ ساتھ ہی مسلمانوں کو اس کی بالادستی کے لیے جدوجہد پر اس دعویٰ کے ساتھ ابھارتے ہیں کہ اسلام کی دعوت انسانی زندگی کے کسی محدود دائرے، شعبے یا دور تک محدود نہیں بلکہ اس کی دعوت برحق نظام کے دعوے کے ساتھ اپنے پورے نظام کی طرف ازل سے ابد تک ہے اور اس کا دعویٰ یہ بھی ہے کہ اس کے سوا ہر دوسرا نظام باطل ہے، اس لیے مسلمانوں کا دنیا کے سامنے اسلام کو ایک برحق اور سچے نظام زندگی کی حیثیت سے پیش کرنا اور پھر عملاً اس کے نفاذ کی کوشش نہ

کرنا اور اس کے مقابل دوسرے نظامات کے غلبے کو برداشت کیے رکھنا ایک مہمل بات ہے۔[34] اسلام بین الاقوامی تصور تعمیر واصلاح کے لیے شھداء علی الناس کے مشن کے ساتھ تمام انسانوں کو دعوت دے کر ایک بین الاقوامی پارٹی 'حزب اللہ' کے ذریعے دنیا سے ظلم ،فساد، بداخلاقی، طغیان اور ناجائز انتفاع کو مٹا کر اپنے اقتدار کے ذریعے تمام دنیا میں ایک عالمگیر انقلاب برپا کرنا چاہتا ہے۔[35]

اسی بنیادی دعویٰ کی وجہ سے سید مودودی کو مغرب کی جانب سے جدید عالمی تحریک احیائے اسلام کا ایسا خطرناک قائد قرار دیا جاتا ہے جس کے پیش نظر کسی خاص علاقے کے مسلمانوں کی پرانی قومی تہذیب کا احیاء نہیں بلکہ عالمی اسلامی تہذیب کا احیاء ہے جس کے لیے وہ علوم جدیدہ اور ان کی پیدا کی ہوئی ترقیات کے مخالف نہیں بلکہ

مغربی فلسفہ زندگی اور فلسفہ اخلاق کے پیدا کردہ تہذیب و تمدن کے باغی ہیں۔[36]

سید مودودی عقائد کو وسیع تہذیبی تناظر سے جوڑتے ہیں۔ان کے نزدیک اسلامی تہذیب میں سب سے مرکزی عقیدہ توحید ہے جو انسان کے زاویہ نظر کو کائنات تک وسیع کر کے اس کی تہذیب کو بین الاقوامیت کی وسیع اصطلاح سے بھی نکال کر آفاقی اور کائناتی بناتا ہے۔[37] اس کی حقیقت اور اس کے نتیجہ میں آنے والی تبدیلیاں ایک اجتماعی انقلاب Social Revolution کی دعوت ہیں اس لیے کہ جب بھی کسی نبی نے " قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُواْ اللهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَهٍ غَيْرُهُ أَفَلاَ تَتَّقُونَ۔" کی صدا بلند کی تو سب سے پہلے حکومت وقت اس کے مقابلے میں آن کھڑی ہوئی، کیونکہ یہ ایک اجتماعی انقلاب کا اعلان تھا جس کی آخری منزل مقصود ایک عالمگیر انقلاب (World Revolution) کے سوا کچھ نہیں تھا۔[38] عقائد کے وسیع مفہومات انسانی زندگی اور سیاسی نظام کے اندر واضح تغیرات کے حامل اور متقاضی ہیں۔ مثلاً رب اور عبادت کے مفہومات کے تحت خدا کی کامل اطاعت دراصل خدائی اقتدار اعلیٰ کی کاملیت کا ہی لازمی تقاضا ہے کیونکہ جب پورے نظام کائنات کا مدبر و منتظم ایک اللہ ہے تو یقیناً کسی دوسرے کا مستقل بالذات حاکم، خود مختار فرمانروا اور آزاد قانون ساز ہونا بھی غلط ہے۔[39] اللہ تعالیٰ نے توحید، رسالت، آخرت کے عقائد کے ذریعے قوم، وطن، زبان اور رنگ نسل کے تمام تعصبات کو ختم کر کے دنیا کے سارے انسانوں کو ایک عالمگیر امت بننے کی بنیاد فراہم کی ہے۔[40] نظاموں میں کشمکش کی بنیاد دراصل فلسفہ توحید ہی ہے کیونکہ نبی ﷺ کے پیش کیے گئے نظام زندگی کے مقابل ہر طرف سے مخالفتوں کا طوفان شرک والوں نے ہی اٹھایا۔[41]

عقائد میں پوشیدہ اصطلاحوں کو سیاسی افکار کے حوالہ سے امت مسلمہ کے سامنے اتنی وضاحت اور وسعت کے ساتھ پیش کرنے کی جدوجہد نے نظریہ تہذیبی تصادم کو اسلامی نقطہ نظر سے فکری غذا فراہم کر کے دور جدید کی سیاست میں ارتعاش پیدا کیا جس پر اس فکر کو کسی نے سیاسی اسلام کی ابتدا اور دین کے خلاف قرار

دینے کی کوشش کی تو کسی نے اس سے مذہب اور سیاست کی علیحدگی کے فلسفہ کی دیواریں گرتی ہوئی محسوس کیں، کسی نے اسے دہشت گردی اور "تہذیبوں کی جنگ" تو کسی نے Life Style کی جنگ قرار دیا جیسا کہ قرآن نے کافرانہ تہذیب میں فرعونی فکر کو یوں بیان کیا:

قَالُوا إِنْ ہٰذَانِ لَسَاحِرَانِ يُرِيْدَانِ أَن يُخْرِجَاكُم مِّنْ أَرْضِكُم بِسِحْرِہِمَا وَيَذْہَبَا بِطَرِيْقَتِكُمُاا لْمُثْلَى۔(طٰہٰ:۶۳)

ترجمہ: (انھوں [فرعون اور حواریوں] نے کہا یہ دونوں [موسیٰ اور ہارون] تو جادو گر ہیں۔ چاہتے ہیں کہ اپنے جادو کے زور سے تم کو تمھاری زمین سے بے دخل کریں اور تمھارے مثالی طریق زندگی کو مٹادیں۔)

سید مودودی نے درج بالا آیت کی تفسیر میں جو کچھ لکھا ہے وہ آج اکیسویں صدی میں سامنے نظر آرہا ہے:

وہ [فرعون کے حواری] تعصبات کی آگ بھڑکا کر حکمران طبقے کو اندھا جوش دلانا چاہتے تھے اور یہ خوف انہیں دلا رہے تھے کہ موسیٰؑ کا غالب آجانا تمہارے ہاتھوں سے ملک نکل جانے اور تمہارے مثالی (ideal) طریق زندگی کے ختم ہو جانے کا ہم معنی ہے۔ وہ ملک کے بااثر طبقے کو ڈرا رہے تھے کہ اگر موسیٰ کے ہاتھ اقتدار آگیا تو یہ تمہاری ثقافت اور یہ تمہارے آرٹ اور یہ تمہارا حسین و جمیل تمدن اور یہ تمہاری تفریحات اور یہ تمہاری خواتین کی آزادیاں (جن کے شاندار نمونے حضرت یوسفؑ کے زمانے کی خواتین پیش کر چکی تھیں) غرض وہ سب کچھ جن کے بغیر زندگی کا کچھ مزہ نہیں، غارت ہو کر رہ جائے گا۔(42)

معلوم ہوتا ہے کہ جس تہذیب کی دعوت کو موسیٰؑ کے دور میں فرعون اور اس کے مصاحبین نے اپنے اقتدار اعلیٰ اور اپنی تہذیب کے لیے خطرہ سمجھا تھا اسی تہذیب کی دعوت اور اس کے مقابلے کا جدید ماڈل آج کے جدید مغربی تہذیبی و سیاسی نظام کے مقابلے میں پیش کرنے کی جو کوشش سید مودودی نے کی ہے اسے آج کی بالادست قوتیں بھی اپنے لیے خطرہ سمجھتی ہیں۔ جان پیٹر ہرٹنگ نے سید مودودی کے اسلامی نظام زندگی کے ضمن میں پیش کیے گئے درج بالا خیالات کے تناظر میں ہی اپنی تحقیق A System of Life, Mawdudi and the Ideologisation of Islam کے ابتدائیہ میں لکھا:

This Pakistani citizen [Mawdudi] must be considered the first systematic thinker of what became known as 'Islamism' and ideology rooted in a particular understanding of Islam.(43)

سید مودودی کی پیش کی گئی اس فکر کی زد جن استعماری تصورات پر پڑتی ہے اسے انسائکلو پیڈیا برٹانیکا کے تحقیقی مقالہ نگار کے ان الفاظ سے بخوبی سمجھا جاسکتا ہے:

". . .He is best known for the thesis that God alone is sovereign, not human rulers, nations, or customs."(44)

انہوں نے فرعون اور اس کے حواریوں کے لیے استعمال کی گئی " طاغوت "کی اصطلاح کے سیاسی پہلو کو بیان کرتے ہوئے ہر ایسے فرد اور ادارے کو طاغوت قرار دیا جو خدا کے مقابلے میں سرکشی اختیار کر کے خدائی کا علم بلند کرے۔ وہ غالباً پہلے اسلامی مفکر ہیں جو دور جدید میں تصور 'عبادت' کو پوری زندگی پر حاوی قرار دیتے ہوئے کسی حکومت کے حدود میں رہ کر اس کے قوانین کی پابندی کرنے کو بھی اس حکومت کی مذہبی اصطلاح میں بندگی وعبادت قرار دیتے ہیں۔(45)

عالمی اسلامی تہذیب کے قیام کے لیے سید مودودیؒ کی بیان کی گئی فکر اور لائحہ عمل مغرب کی بالادست تہذیب کے لیے ایک چیلنج ہے کیونکہ سیاسی منظر نامہ پر کسی مد مقابل کا نمودار ہونا ہی دراصل کشمکش کا عنوان ہے جب کہ اس ضمن میں سید مودودی ببانگ دہل کہتے ہیں کہ :

"نہ یہ بات کافی [ہے] کہ اقتدار جاہلیت کے ہاتھ میں ہو اور اسلام محض ایک ثانوی قوت کی حیثیت سے کام کرے اور نہ ہی یہ بات کافی [ہے] کہ چند افراد یہاں اور چند وہاں محدود انفرادی زندگیوں میں اسلام کے حامل بنے رہیں اور وسیع تر اجتماعی زندگی میں اسلام اور جاہلیت کے مختلف النوع مرکبات پھیلے رہیں۔ لہٰذا دین کو ہر دور میں ایسے طاقتور اشخاص، گروہوں اور اداروں کی ضرورت تھی اور ہے جو زندگی کی بگڑی ہوئی رفتار کو بدل کر پھر سے اسلام کی طرف پھیر دیں۔"(46)

سید مودودی کے نزدیک عالمگیر اسلامی تہذیب کے قیام واستحکام اور اس کے دائماً اپنی صحیح شکل میں قائم رہنے کے لیے رسالت اور کتاب دونوں کے ساتھ اس کا تعلق ہمیشہ برقرار رہنا ناگزیر ہے۔ ایک کتاب اور رسول پر ایمان، ان کی اتباع، انہی کے مطابق ذہنیتوں کا ڈھلنا اسلام کو ایک مستقل عالمی تہذیب اور مسلمانوں کو ہر قسم کے نسلی ولسانی اور لونی وجغرافیائی اختلاف کے باوجود ایک قوم بناتا ہے۔(47) جس کے لیے مختلف قوموں میں مبعوث ہونے والے انبیائے کرام کے واسطہ سے عالمی انسانی تہذیب کا سفر تدریجاً آگے بڑھا اور جب تمام قوموں کے پیغمبروں نے الگ الگ ایک ایک قوم کو اس حد تک تیار کر دیا کہ دنیا میں ایک ایسے مذہب کی تعلیم پھیلا سکے جو بلا امتیاز ساری نوع انسانی کا مذہب ہو اور اسباب وذرائع نے دوریوں کو بھی کسی حد تک ختم کر دیا تو تمام انسانی قوموں

کے لیے ایک آخری پیغمبر حضرت محمد ﷺ کو خاتم النبیین بنا کر عرب کی سر زمین میں پیدا کر کے انہیں اسلام کی پوری تعلیم اور مکمل قانون کو سارے جہان میں پھیلانے پر مامور کر دیا گیا۔(48) جملہ انبیائے کرام نے صرف عقیدہ و شریعت اور ایک نئے دین اسلام ہی کی دعوت نہیں دی بلکہ وہ تہذیب و تمدن اور نئے طرز حیات کے بانی بھی بنے اور بحیثیت آخری نبی حضرت محمد ﷺ ہی در حقیقت دور جدید کی تہذیبی اور تمدنی ترقی کے بانی ہیں لہٰذا عالمی تہذیب کے لیے نبوت محمدی ﷺ ہی بنیاد کا کردار ادا کر سکتی ہے۔ اس لیے آج بھی اسلامی تہذیب مغربی تہذیب کے مقابلہ میں اپنے نظریہ، فکر اور طرز عمل میں ایک عالمگیر تہذیب کا سانچہ رکھتی ہے۔(49) اس ضمن میں سید مودودی کے خیالات کا اعتراف مائیکل ایچ ہارٹ ان الفاظ میں کرتا ہے:

"...He[Muhammad] was the only man in history who was supremely successful on both the religious and secular levels...Today, thirteen centuries after his death, his influence is still powerful and pervasive...Further more, Muhammad (unlike Jesus) was a secular as well as a religious leader. Infact, as the driving force behind the Arab conquests, he may well rank as the most infuential political leader of all time."(50)

چنانچہ سید مودودی بھی نبی ﷺ کی ہمہ گیر شخصیت کے ضمن میں قرآن کی آیت "ہُوَ الَّذِیْ أَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْہُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْہِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ۔۔۔" کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ نبی کا کام سیاست، عدالت، اصلاح اخلاق و تمدن اور قیام تہذیب صالح کے تمام پہلوؤں پر حاوی ہو جاتا ہے۔(51) اور ایسی صالح اسلامی تہذیب کے احیا کے لیے اسلام کا تصور جہاد در حقیت اسلام اور کفر کے درمیان کسوٹی ہے جو لوگوں کے عقیدہ و مسلک اور ان کے طریق عبادت یا قوانین معاشرت سے تعرض کی بجائے ان کے فاسد طرز پر حکومت چلانے کے حق کو تسلیم کرنے سے انکار کرتا ہے۔(52) مستشرق کیرن آرم سٹرانگ نے مولانا مودودی کے اس تصور و فلسفہ جہاد کے متعلق لکھا ہے:

Mawdudi defined jihad as a revolutionary struggle to seize power for the good of all humanity. ..Just as the prophet had fought the

> Jahiliyyah, the ignorance and barbarism of the pre-Islamic period, so all Muslims must use all means at their disposal to resist the modern Jahiliyyah of the west....never before had jihad figured so centrally in official Islamic discourse.(53)

اسلامی تصور جہاد کے بالمقابل موجودہ تہذیبی تصادم کے ضمن میں سید مودودی نے قدیم وجدید استعمار کی جانب سے دنیا میں اپنے عزائم کی تکمیل اور عالمی جہانگیریت Imperializm کے لیے کیے جانے والے مختلف طرح کے مظالم اور لوٹ مار کو "تہذیب وتمدن کی اشاعت" اور "نوع بشری" کی خدمت کا طنزیہ عنوان دیتے ہوئے لکھا ہے کہ کمزور قوموں میں مغربی تہذیب کی اس اشاعت نے غریبوں کو جہالت، افلاس، غلامانہ کمینگی اور بے دینی و ضمیر فروشی سے بھر دیا ہے۔(54)

اسی طرح وطنیت اور قومیت کے تصورات کے مدمقابل سید مودودی نے اسلامی تہذیب کے احیا کے لیے 'امت' کی اصطلاح کو رواج دیا، جس پر موجودہ تہذیبی کشمکش کے حوالہ سے ہن ٹنگٹن نے بھی بطور خاص اپنی کتاب میں بحوالہ اسلامی احیائی تحریک معنی خیز تذکرہ کیا ہے۔ سید مودودی کے بقول پوری دنیا میں پھیلے کلمہ گو لوگ ایک اجتماعی اور مشترکہ مشن رکھنے کی بنا پر ایک پارٹی کے لوگ ہیں جن کو اصطلاحاً امت قرار دیا جاتا ہے جو ایک مستقل عالمی نظام تہذیب وتمدن بنانے کے لیے اٹھتی ہے۔(55)

سید مودودیؒ نے اسلامی اور مغربی تہذیب میں کشمکش اور دوری کو مقاصد کے فرق پر منحصر قرار دیا۔ اسلام کا تصور کائنات، تصور حیات اور ان کے مقاصد مغربی اور یورپی تہذیبوں کے تصور حیات و کائنات اور مقاصد سے بالکل مختلف ہیں۔ جس کی وجہ سے عقیدہ واخلاق سے لے کر تمدن واجتماع اور ان کے مقاصد کی تفصیلات تک دونوں کا راستہ اور منزل ایک دوسرے سے الگ ہو جاتے ہیں۔(56) نظریہ اور عمل کے تضادات کی بنا پر اسلام میں مذہب کا تصور قانون زندگی کا جبکہ مغربی تہذیب میں محض ایک شخصی عقیدہ کا ہے، اسلام کا پورا عملی نظام عقیدہ وحی ورسالت پر قائم ہے اور مغرب میں وحی کی حقیقت پر ہی شک اور اعتراض ہے۔ اسلام Internationalism جبکہ مغرب Nationalism کے مزاج کا حامل ہے۔ اسلام جن چیزوں پر انسانی اخلاق اور تمدن کی بنا رکھتا ہے ان کو مغربی تہذیب بیخ وبن سے اکھاڑ دینا چاہتی ہے۔ اسلامی تہذیب مختلف معاملات کو حرام وحلال کی قیود کے ساتھ پیش کرتی ہے، جبکہ مغربی تہذیب میں اول تو ایسے احکامات کا وجود ہی نہیں اور اگر ہے بھی تو حلال وحرام کی تمیز کے بغیر۔(57)

ان بنیادی اختلافات کی بنا پر اور تہذیبوں کے عناصر، مزاج، مقاصد، بنیادی تصورات اور اخلاق میں موجود اصولی اختلافات کی وجہ سے سید مودودی کے نزدیک اسلامی اور مغربی تہذیبوں کے درمیان مفاہمت یا اشتراک خارج از امکان ہے۔ ان کے نزدیک اس مفاہمت کو ممکن العمل خیال کرنا عقل کی کمی اور اس کے لیے مسلمانوں کا راضی ہونا ان کے ایمان اور ہمت کی کمی کی نشانی ہے۔ اسی طرح جاہلیت سے مصالحت کی صورتیں نکالنے کا نام تجدید نہیں بلکہ اصل تجدید اسلام کو جاہلیت کے تمام اجزاء سے چھانٹ کر اور الگ کر کے کسی نہ کسی حد تک اسے اپنی خالص صورت میں پھر سے فروغ دینے کی کوشش کرنا ہے۔[58] مغرب پر سوار نیشنلزم کے بھوت کی وجہ سے اس کا عالمی تہذیب بننا خارج از امکان ہے۔ تہذیبوں کے مدمقابل میدان میں تنہا اسلام ہی ایک ایسا نظریہ ہے جو نسلی اور تاریخی قومیتوں کو توڑ کر تہذیبی بنیادوں پر دارالسلام کے عنوان سے ایک عالمگیر قومیت بنا سکتا ہے۔[59]

اسلامی اور مغربی تہذیبوں کے موازنے اور محاکمے کے ساتھ ساتھ سید مودودی نے اسلامی یا کسی بھی تہذیب کے عروج کی طرف جانے کو بھی اخلاقی بنیادوں کے ساتھ ساتھ خالصتاً سائنسی اور عقلی بنیادوں پر بیان کیا ہے۔ سید مودودیؒ کے نزدیک قوموں کے عروج وزوال میں اخلاقی اقدار کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ ان کے بقول جس قوم کا اخلاق بگڑ جائے اور تمام معاشی وسائل پر بدمعاش اور بے ایمان قسم کے لوگوں کا تسلط قائم ہو جائے وہاں صحیح معاشی نظام نہیں چل سکتا۔[60] قرآن کی بیان کردہ تاریخ انسانی سے معلوم ہوتا ہے کہ اخلاقی انحطاط میں مبتلا قوموں کو ہلاک کرنے کا مطلب صرف ان کو موت کے گھاٹ اتار دینا ہی نہیں بلکہ اس میں ان کے قومی شیرازہ کو منتشر کر دینا، ان کو تفرقے اور ٹکڑیوں کا شکار کر دینا، ان کو دوسروں کا محکوم بنا دینا بھی شامل ہے۔[61] سید مودودی نے قرآن مجید کی آیات سے استنباط کر کے قوموں کے زوال کے اسباب میں قدرت کے جو اصول بیان کیے ہیں وہ درج ذیل ہیں:

۱۔ قومی رخ اصلاح کی بجائے فساد کی جانب　　　　۲۔ نعمتوں کا استیصال

۳۔ رجوع کے مواقع سے فائدہ نہ اٹھانا۔[62]

سید مودودیؒ کے بقول جس طرح زوال کا الٰہی قانون موجود ہے اسی طرح عروج کے بھی قاعدے مقرر ہیں جن میں سے ایک اہم ترین باشعور اور خوف خدا رکھنے والی قیادت ہے۔ اس لیے اسلامی تہذیب کے عروج کے لیے بالخصوص مسلم قیادتوں کو نوع انسانی کی فلاح وسعادت میں حائل حقیقی مسائل اور قوموں کی قسمتیں بنانے اور بگاڑنے والے اسباب وذرائع کا ادراک ہونا چاہیے۔[63] انہیں اسلامی تہذیب کے احیاء اور تجدید کے ضمن میں اپنے حالات کی درست اور گہری تشخیص کر کے اصلاح کی تجاویز کے ساتھ اپنی قوت و قابلیت کا درست اندازہ لگانے، لوگوں کے خیالات کو بدلنے کے لیے فکری و عملی کوشش، نظام تعلیم کی اصلاح، وقت کے تمدنی

حالات میں دین کے اصولوں کے تحت اجتہاد، دفاعی جدوجہد کے ذریعے اقتدار کو اپنے ہاتھ میں لینے کی سعی اور بعد ازاں پوری دنیا میں طاقتور عالم گیر تحریک برپا کرنے کی کوشش کرنا چاہیے۔ یہ قیادت اپنے وقت کے تمام علوم جدیدہ پر مجتہدانہ بصیرت، زندگی کے سارے مسائل پر نظر، سیاسی تدبر اور جنگی مہارت کے اعتبار سے دوسروں پر فائق ہو۔ جو اسلام کی روح اور سائنٹیفک ترقی کے مطابق ایسا کام کرے کہ حدیث کے مطابق "اس کی حکومت سے آسمان والے بھی خوش ہوں اور زمین والے بھی۔ (64)

حاصل کلام

۱۔ موجودہ تہذیبی کشمکش کے منظر نامے میں ایک پرامن عالمی فلاحی تہذیب کے قیام کے لیے ضروری ہے کہ انسان خدائی قانون کی پیروی میں آجائے۔ کیونکہ انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین افراط و تفریط پر مبنی ہیں۔

۲۔ پاکیزہ دور تہذیب کی تاسیس کے منظر نامے میں سید مودودیؒ کی جانب سے امت مسلمہ کو فراہم کی جانے والی فکری اور عملی رہنمائی اور بھرپور لٹریچر کی فراہمی اور عملی جدوجہد کو وسیع تناظر اور درست معلومات کے ساتھ پیش کیا جائے۔

۳۔ ضروری ہے کہ معاشرے اپنی قیادت اور اختیار واقتدار کی امانتیں قرآن کے ارشاد إِنَّ اللهَ يَأْمُرُكُمْ أَن تُؤدُّواْ الأَمَانَاتِ إِلَى أَہْلِہَا وَإِذَا حَكَمْتُم بَيْنَ النَّاسِ أَن تَحْكُمُواْ بِالْعَدْلِ ۔۔۔۔ (النسا:۵۸) کے مطابق اہل اور امانت دار لوگوں کے سپرد کریں۔ جن کے اندر ایمان، شعور، ذہن کی یکسوئی، مضبوط قوت فیصلہ کی آبیاری کے ساتھ تسخیر کائنات کی خوبیاں اور صلاحیتیں پیدا کی جائیں۔

۵۔ جدید تہذیبی معرکہ میں خصوصیت کے ساتھ نشانہ ہونے کی وجہ سے نوجوان اور خواتین کے کردار اور ان کی معاشرتی ذمہ داریوں کو قرآن مجید کے حکم وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُہُمْ أَوْلِيَاء بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْہَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَيُقِيْمُونَ الصَّلاَةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَيُطِيْعُونَ اللهَ وَرَسُولَہُ۔۔۔ کے تحت سمجھنے کی ضرورت ہے بالخصوص میڈیا کی بے لگام آزادی اور مادہ پرستانہ تعلیم کے اثرات سے خواتین اور نوجوان نسل کے کردار اور صلاحیتوں کو محفوظ بنانے کے لیے علمی و عملی اقدامات کرنے چاہیں۔

مسلمانوں کے لیے یہ ایک زبردست Co-incidence ہے کہ آج جب ایک طرف اخلاقی حوالہ سے پسماندہ، الحاد کی جانب مائل اور دین بیزار تہذیب تمام تر مادی ترقی کے باوجود پریشانی اور بڑھاپے کا شکار ہو رہی ہے تو عین دوسری طرف خدا آشنائی پر مبنی ایک جاندار اور نوخیز اسلامی تہذیب آہستہ آہستہ مگر تسلسل کے ساتھ چاروں جانب رونما اور روز بروز نمایاں تر ہو رہی ہے اور اس سلسلہ میں بھرپور ہمہ جہت فکری اور عملی جہاد کے لیے مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی فکر اور شخصیت ہمارے لیے رہنما کا کام دے رہی ہے۔

حوالہ جات

1. Richard A. Clarke, Against All Enemies: Inside America's War on Terror, (London: Free Press, 2004), p.56

2۔ بخاری، شبیر، سید، الاختصار البیان فی مافی القرآن، (لاہور: مخدوم جہانیاں اکیڈمی، ۲۰۰۰)، طبع اول، ص ۱۰

3۔ ناصر جمال، امام العصر دی مین آف دی سنچری، (لاہور: مکتبہ المصباح، ۲۰۱۰)، طبع، اول، ص ۹

4۔ مودودی، ابوالاعلیٰ، سید، تنقیحات، (لاہور: اسلامک پبلیکیشنز، ۲۰۰۸)، طبع ۴۳، ص ۳۶

5۔ مراسلت مولانا مودودی و مریم جمیلہ، مترجم: پروفیسر عبدالغنی فاروق، (لاہور: میٹروپرنٹرز، ۱۹۹۰)، اشاعت دوم، ص ۴۳

6۔ آرم سٹرانگ، کیرن، مسلمانوں کا سیاسی عروج و زوال، (مترجم: احسن بٹ)، (لاہور: نگارشات پبلشرز، ۲۰۰۵)، ص ۴۰

7۔ گیلانی، اسعد، سید مودودی بچپن جوانی بڑھاپا، (لاہور: ادارہ ترجمان القرآن، ۲۰۱۴)، طبع جدید، ص ۵۰۔۵۵

8۔ مودودی، ابوالاعلیٰ، سید، تحریک آزادی ہنداور مسلمان، (لاہور: اسلامک پبلیکیشنز، ۱۹۹۲)، طبع نہم، جلد دوم، ص ۲۲۷، ۲۲۶

9۔ حسین خان، ترجمان القرآن، ماہنامہ، (مدیر: پروفیسر خورشید احمد)، (لاہور: ادارہ ترجمان القرآن، مئی ۲۰۰۴)، ص ۴۹۹۔۔۵۰۴

10۔ غازی، محمود احمد، ڈاکٹر، ابوالاعلیٰ مودودی علمی و فکری مطالعہ، (مرتبین: رفیع الدین ہاشمی و سلیم منصور خالد)، (لاہور: ادارہ معارف اسلامی، ۲۰۰۶)، اول، ص ۲۵۷

11۔ فاروقی، مصباح الاسلام، ترجمان القرآن، ستمبر ۲۰۱۸ء، ص ۴۷

12۔ خورشید احمد، پروفیسر، ترجمان القرآن، مئی ۲۰۰۴، ص ۱۸۸۔۔۲۱۷

13۔ عتبانی غازی صلاح الدین، ترجمان القرآن، مئی ۲۰۰۴، ص ۵۲۱

14. Karen Armstrong, The Battle for God, (London:Harper collins publishers, 2000) , page 237,238

15. Huntington Samuel. P,The Clash of Civilizations and The Remaking of World Order,(New Dehli: Penguin books,New,1997) , page 112,113

16۔ ابوالاعلیٰ مودودی علمی و فکری مطالعہ، ص ۹تا۱۱

[17]۔ ایضاً، ص۲۶

[18]۔ مودودی، ابوالاعلیٰ، سید، شہادت حق، (لاہور: اسلامک پبلیکشنز، ۲۰۱۰)، ص۱۸

[19]۔ مودودی، ابوالاعلیٰ، سید، پردہ، (لاہور: اسلامک پبلیکیشنز، ۲۰۱۴)، طبع ۳۲، ص۴۳

مودودی، ابوالاعلیٰ، سید، اسلامی تہذیب اور اس کے اصول ومبادی ، (لاہور: اسلامک پبلیکشنز ، ۲۰۱۳) ، طبع ۲۹، ص۶تا۹

[21]۔ مودودی ابوالاعلیٰ، سید، تصریحات، (مرتبہ: سلیم منصور خالد)، (لاہور: البدر پبلیکیشنز: ۲۰۰۵)، طبع نہم، ص۷۹، ۸۷

[22]۔ آرم سٹرانگ، کیرن، مسلمانوں کا سیاسی عروج وزوال، (مترجم: احسن بٹ)، (لاہور: نگارشات پبلشرز، ۲۰۰۵)، ص۴۲

[23]۔ اسلامی تہذیب اوراس کے اصول ومبادی، ص۵۱، ۵۰

[24]۔ تحریک آزادی ہند اور مسلمان، حصہ دوم، ص۲۰۳، ۲۰۲

[25]۔ اسلامی تہذیب اوراس کے اصول ومبادی، ص۲۰۔۲۶

[26]۔ تحریک آزادی ہند اور مسلمان، جلد دوم، ص۹۹، ۸۹

[27]۔ اسلامی تہذیب اوراس کے اصول ومبادی، ص۵۴، ۵۲

[28]۔ مودودی، ابوالاعلیٰ، سید، ہندوستان کا صنعتی زوال اوراس کے اسباب، (لاہور: ادارہ ترجمان القرآن، ۱۹۹۷)، طبع اول، ص۱۴

[29]۔ مراسلت مولانا مودودی ومریم جمیلہ، ص۴۲

[30]۔ مودودی، ابوالاعلیٰ، سید، جماعت اسلامی کے ۲۹ سال، (لاہور: اسلامک پبلیکشنز، ۲۰۰۹)، ص۲۲

[31]۔ تنقیحات، ص۲۹، ۲۸، ۱۰۳

[32]۔ مودودی، ابوالاعلیٰ، سید، تجدید واحیائے دین، (لاہور: اسلامک پبلیکشنز، ۲۰۱۶)، طبع ۳۳، ص۲۶

[33]۔ اسلامی تہذیب اوراس کے اصول ومبادی، ص۶

[34]۔ مودودی، ابوالاعلیٰ، سید، تفہیمات، حصہ دوم، (لاہور: اسلامک پبلیکیشنز، ۱۹۹۵)، طبع ۱۷، ص۱۱۳

[35]۔ مودودی، ابوالاعلیٰ، سید، تفہیمات، حصہ اول، (لاہور: اسلامک پبلیکیشنز، ۲۰۰۴)، طبع ۲۵، ص۱۳۲، ۱۲۸

[36]۔ روداد جماعت اسلامی، حصہ ششم، ص۴۰۲

[37]۔ اسلامی تہذیب اوراس کے اصول ومبادی، ص۱۳۲، ۱۲۱

[38]۔ تفہیمات، حصہ اول، ص۸۴

[39]۔ مودودی، ابوالاعلیٰ، سید، قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں، (لاہور: اسلامک پبلیکشنز، ۱۹۸۰)، طبع ۱۴، ص۳۷۔۴۰

[40]۔ مودودی، ابوالاعلیٰ، سید، تفہیمات، حصہ چہارم، (لاہور: ادارہ ترجمان القرآن، ۱۹۹۲)، طبع سوم، ص ۱۱۷۔۔۱۲۵

[41]۔ دعوت اسلامی اور اس کے مطالبات، ص ۲۹، ۲۸

[42]۔ مودودی، ابوالاعلیٰ، سید، تفہیم القرآن، جلد سوم، (لاہور: ادارہ ترجمان القرآن، ۱۹۹۵)، طبع پنجم، ص ۱۰۳

[43]. Hartang, Jan Peter, A System of Life Style, Mawdudi and the Ideologisation of Islam,(London, Hurst & Company, 2013), p.3

[44]. https://www.britannica.com/biography/Abul-Ala-Mawdudi

[45]۔ تفہیمات، حصہ اول، ص ۴۹۔۔۶۳

[46]۔ تجدید واحیائے دین، ص ۳۳

[47]۔ اسلامی تہذیب اور اس کے اصول ومبادی، ص ۱۷۲۔۔۱۸۱

[48]۔ مودودی، ابوالاعلیٰ، سید، دینیات، (لاہور: ادارہ ترجمان القرآن، ۱۹۸۵)، طبع ۴۹، ص ۴۲۔۔۵۷

[49]۔ تفہیمات، حصہ اول، ص ۲۴۸، ۸۵۔۔۲۵۴

[50]. Hart, Michal H. , The 100 A Ranking of the Most Influential Persons in History, (London:Simon & Schuster),1993, pp.3__9

[51]۔ تفہیمات، حصہ دوم، ص ۳۳

[52]۔ تفہیمات، حصہ اول، ص ۹۴، ۹۳

[53]. The Battle for God, page 237,238

[54]۔ الجہاد فی الاسلام، ص ۱۳۱

[55]۔ ایضاً، ص ۱۴۱

[56]۔ استفسارات، ص ۴۱۸، ۴۱۷

[57]۔ تنقیحات، ص ۸، ۲۵، ۲۴۔۔۱۵

[58]۔ تجدید واحیائے دین، ص ۲۶۔۔۳۵

[59]۔ تفہیمات، حصہ اول، ص ۱۴۲

[60]۔ ابو طارق، ایم اے، مولانا مودودی کے انٹرویو، (لاہور: اسلامک پبلیکیشنز، ۱۹۸۷)، طبع اول، حصہ دوم، ص ۱۹

[61]۔ تنقیحات، ص ۱۶۵

[62]۔ تفہیمات، حصہ اول، ص ۱۵۶۔۔۱۵۹

[63]۔ تفہیمات، حصہ دوم، ص ۱۶۶، ۱۶۵

[64]۔ تجدید و احیائے دین، ۲۰۱۶، ص ۳۷۔ ۴۲